پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

ایران میں تحریکِ مشروطیت

مظفر الدین شاہ قاچار کا عہد

سید جمال الدین افغانی نے ایران میں حیرت انگیز سیاسی بیداری پیدا کر دی تھی۔ اور علماء، مجتہدین، سیاسی رہنما، طلبا اور عوام ہر ایک طبقہ کے محبانِ وطن اپنے ملک کو سامراجیوں کے سیاسی تسلط اور معاشی استحصال سے محفوظ رکھنے اور جمہوری حقوق حاصل کرنے کے لیے زبردست جد و جہد کر رہے تھے۔ ان سرگرمیوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۹۶ء میں ناصر الدین شاہ قاچار کو قتل کر دیا گیا۔ اور مظفر الدین شاہ قاچار تخت نشین ہوا۔ مظفر الدین سلیم الفطرت اور ایک نیک دل شخص تھا اور ظلم و ستم اور خونریزی سے اسے دلی نفرت تھی۔ لیکن اس کی صحت خراب رہتی تھی اور ملک میں شدید بے چینی پھیلی ہوئی تھی جس کو دبانے کی اس میں اہلیت نہ تھی۔ اس لیے مفاد پرست لوگ اس پر چھا گئے اور اسے اصلاحات نافذ کرنے سے باز رکھا۔

وزیر اعظم امین السلطان انگریزوں کا ہمدرد تھا۔ مگر تمباکو کا اجارہ ختم ہونے کے بعد انگریزوں سے اس کی ہمدردی ختم ہو گئی اور اب اس نے روسیوں کی دوستی کا دم بھرنا شروع کیا۔ ابھی اس نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا تھا کہ مظفر الدین شاہ نے اسے وزارتِ عظمیٰ سے الگ کر کے ایک افضل انشا پرداز اور تجربہ کار شخص مرزا علی خاں امین الدولہ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ امین الدولہ نے اصلاحات کی طرف قدم اٹھایا اور جب آکسفورڈ کے ایک گریجویٹ ناصر الملک کو وزیر مالیات بنایا گیا تو پوری امید بندھی کہ ملک میں اصلاحات نافذ ہوں گی اور سیاسی بے چینی دور ہو جائے گی۔

روسی قرضے

مظفر الدین شاہ کی صحت خراب رہتی تھی، اور ڈاکٹروں نے اسے علاج کے لیے یورپ جانے کا

مشورہ دیا۔ شاہی سفر کے لیے رقم خطیر کی ضرورت تھی جو شاہی خزانے میں نہ تھی۔ امین الدولہ نے کوشش کی کہ لندن میں دس لاکھ پونڈ کا انتظام ہو جائے۔ مگر تمباکو کے اجارہ کی منسوخی کی وجہ سے لندن میں ایران کی ساکھ گر گئی تھی اور قرض ملنے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ بادشاہ کی بڑی خواہش قرضہ حاصل کرنے کی تھی۔ اس لیے اس نے امین الدولہ کو الگ کر کے وزارتِ عظمیٰ پھر امین السلطان کو سونپ دی۔ اس کا میلانِ طبع روسیوں کی طرف تھا اور اس کی کوشش سے حکومت روس ½ ۲۲ لاکھ روبل یعنی ۲۴ لاکھ پونڈ بطور قرض دینے پر آمادہ ہو گئی۔ شاہ نے یہ خواہش بھی کی تھی کہ امپیریل بینک سے جو قرضہ لے کر تمباکو کارپوریشن کو دیا گیا تھا وہ بھی حکومت روس امپیریل بینک کو ادا کر دے۔ روسی حکومت نے اسے بھی منظور کر لیا اور اس طرح روس ایران کا واحد قرض خواہ بن گیا۔

روسی قرضہ کا بیشتر حصہ شاہ کے دورۂ یورپ پر صرف ہوا۔ کچھ امپیریل بینک کا قرض چکایا گیا اور تھوڑی سی رقم ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیے بچ گئی۔ اس کے بعد اگلے ہی سال حکومت ایران نے روس سے مزید دس لاکھ پونڈ کا قرضہ لیا۔

روس کو محاصل وصول کرنے کا اختیار

ان قرضوں کی وجہ سے ایران میں روسی اثرات بہت بڑھ گئے اور اس نے زبردست مراعات حاصل کر کے اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ پہلے قرض کی ادائیگی کے لیے یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ ملک کے محاصل وصول کرنے کا انتظام روسی حکام کے سپرد کر دیا جائے اور دوسرے قرضہ کے لیے یہ شرط عائد ہوئی کہ دریائے ارس کے سرحدی شہر جلفا سے براہ تبریز تہران تک سڑک بنانے کا اجارہ روسیوں کو دے دیا جائے۔ اس کے علاوہ روسیوں کو کوئلہ اور تیل نکالنے کی بھی بعض مراعات دی گئیں۔ یہ قرضہ دیتے ہوئے روسیوں نے معاہدے میں ترمیم کرا کے اس شرط کا بھی اضافہ کرا دیا کہ ایران میں جو چیزیں انگلستان سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر ۵ فی صد سے ۱۰۰ فی صد تک محصول بڑھا دیا جائے اور تیل اور چینی وغیرہ جو روس سے درآمد کی جاتی ہیں ان کے محصول میں کمی کر دی جائے۔ اس ترمیم سے محصول کی شرح غیر مساوی ہو گئی جو روسیوں کے لیے موافق اور انگریزوں کے لیے ناموافق تھی۔

ایران کا محصل وصول کرنے کا طریقہ نہایت ناقص تھا اور محصولات کا بیشتر حصہ حکام اور کارندوں کی جیب میں چلا جاتا تھا حکومت روس نے اپنے ایک افسر ناؤس کو کرمان شاہ اور تبریز کے محصول خانوں کا ناظم مقرر کیا۔ اس نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور ۱۹۰۱ء میں محصولات کی رقم میں ۵۰ فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ مظفرالدین شاہ ناؤس کی خدمات سے اس قدر خوش ہوا کہ اسے گراں قدر مشاہرے پر وزیر مالیات مقرر کردیا۔

انگریزی اثرات کی بحالی

مظفرالدین شاہ کے عہد میں روسی پیش پیش تھے اور ان کے اثرات بہت بڑھ گئے تھے۔ اور دوسری طرف انگریزی اثرات ختم ہو رہے تھے۔ انگریزوں کو تمباکو کا جو اجارہ ملا تھا وہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اور کان کنی کا جو کام انگریزی ادارے کو سونپا گیا تھا وہ بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ ان واقعات سے انگریزوں کو اخلاقی شکست ہوئی اور ان کا وقار گر گیا۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوا تھا جب حکومت برطانیہ جنوبی افریقہ میں جنگ میں مصروف تھی۔ اس سے فراغت پانے کے بعد برطانیہ نے ایران سے تعلقات بڑھانے کی طرف توجہ دی اور اس غرض کے لیے وائسرائے ہند انگریزی فوجی دستوں کے ہمراہ خلیج فارس آیا اور اس کے دورے کا یہ نتیجہ ہوا کہ انگریزوں نے ایران میں مزید قونصل خانے قائم کیے۔ جنوب مشرقی ایران میں تجارتی وفد بھیجا گیا جس سے برطانوی تجارت کے لیے ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ ان اقدامات کے بعد ایران میں انگریزوں و قار بتدریج بحال ہوگیا۔

ایران کی حالتِ زار

ایران کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہو رہی تھی۔ بیرونی طاقتوں کے سیاسی اثرات روز افزوں تھے، اور ان کی معاشی گرفت بہت مضبوط ہوگئی تھی۔ بادشاہ بددیانت مصاحبوں اور مشیروں میں گھرا ہوا تھا، جن کا شیوہ دولت سمیٹنا تھا۔ ملک کی دولت کچھ تو قرضوں کی ادائیگی میں چلی جاتی تھی اور کچھ بادشاہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات پر صرف ہوتی تھی۔ ملک کا بجٹ خسارے کا تھا، اس لیے ہمیشہ مزید قرضوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ جہاں تک ممکن ہوا، امین السلطان نے قرضوں کی فراہمی میں مدد دی لیکن بادشاہ کے بڑھے ہوئے اخراجات کو پورا

کرنے سے وہ قاصر رہا ۔ ایرانی قوم امین السلطان کو روسیوں کا آلہ کار سمجھ رہی تھی اور ملک کے مختلف علاقوں میں سیاسی بے چینی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے ۔ اس لیے مظفر الدین شاہ نے امین السلطان کو وزارتِ عظمٰی سے سبکدوش کر دیا ۔ اور اس کی بجائے ایک خود غرض اور حریص شخص عبدالحمید عین الدولہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوا ۔ عین الدولہ ۱۹۰۶ء تک اس منصب پر فائز رہا اور یہی وہ وزیر اعظم ہے جس کے دور میں مشروطیت کی تحریک منظم ہوئی ، اور پروان چڑھی ۔

عین الدولہ کا شروع شروع میں یہ دعویٰ تھا کہ ملک میں اصلاحات نافذ کرے گا اور سرزمینِ ایران کو غیر ملکیوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا ۔ لیکن جب اس کے پاؤں جم گئے تو اس نے بھی اپنے بعض پیش روؤں کی طرح اپنی ہی جیبوں کو پُر کرنے کی تدبیریں اختیار کیں ۔ اس دور میں صوبوں کا حاکم اُس کو بنایا جاتا جو زیادہ سے زیادہ رقم پیش کرتا ۔ اور ظاہر ہے کہ جو والی رشوت پیش کر کے یہ منصب حاصل کرتا ، اسے مال و دولت فراہم کرنے کی کھلی چھٹی ہوتی تھی ۔ تاجر اجناس کا ذخیرہ کر لیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے گراں نرخوں پر فروخت کرتے تھے ۔ امرا کو دربار شاہی میں بلا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے کے لیے ان پر جبر کیا جاتا تھا اور رعایا کی جان و مال سب حکام کے رحم و کرم پر تھا ۔

انقلاب کا آغاز

ایران کے حالات ناصر الدین شاہ قاچار کے زمانہ میں بھی گو ابتر ہی تھے مگر اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر قائم تھی اور بعض بے قاعدگیاں منظرِ عام پر نہیں آ پاتی تھیں اس کے بعد ایران کی زبوں حالی سے یکدم پردہ اُٹھ گیا ۔ غیر ملکیوں کا عمل دخل ، مالی مشکلات ، اہلِ دربار کی حرص و ہوس ، خائنوں کی بددیانتی ، بادشاہ کی فضول خرچی ، شاہزادوں کا ظلم و ستم ، غیر ملکی اجاروں کے نقصانات ، غرض ایک ایک بدبختی نظروں کے سامنے اُبھر ابھر کر آئی اور ملت کے غم و غصہ کا سبب بنی ۔ امین السلطان کی وزارتِ عظمٰی کے دور میں ایران تباہ حال اور محتاج تر ہو گیا تھا اور جو شرائط پر روسیوں سے قرضے ملے تھے ان سے اہلِ ایران سخت برافروختہ تھے ۔ ان نہایت خراب حالات میں عوام کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا اور وہ تھا

"انقلاب!"۔

انقلابی جد و جہد

۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۴ء تک کا دور ایران کے ذہنی انقلاب کا دور تھا۔ لوگ انقلاب کی روشنی میں سوچتے اور اسی روشنی میں اظہارِ خیال کرتے تھے۔ انقلابی رسالے جو ایرانی ادیب غیر ممالک میں شائع کرتے تھے، ایران میں بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتے تھے۔ میلکم خاں کے رسالہ "قانون"، مؤید الاسلام کے رسالہ "حبل المتین"، نیز "حکمت" اور "اختر" نے ایران کو بیدار کرنے میں نہایت اہم خدمات انجام دیں اور حکامِ سلطنت پر کڑی تنقید کر کے ان کے کردار کو منظرِ عام پہ لے آئے "سیاحت نامہ ابراہیم بیگ" تالیف حاجی زین العابدین بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ اس میں مؤلف نے ایران کے المناک حالات کو نہایت مؤثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔

علما اور مجتہدین نے عوام کا ساتھ دیا۔ خفیہ انجمنیں وجود میں آئیں۔ ایک خفیہ انجمن "اصلاح طلباں" کے نام سے قائم ہوئی جس کی سرپرستی حجۃ الاسلام سید محمد طباطبائی نے کی۔ اس انجمن نے ملت کی نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ واعظوں نے ممبروں پہ آ کر ایران کی تباہیوں سے عوام کو روشناس کرایا۔ ان لوگوں میں جمال الدین واعظ اصفہانی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جن کی آتش بیانی نے قوم کے جذبات مشتعل کر دیئے۔

عین الدولہ نے تشدد سے حالات پہ قابو پانا چاہا۔ علما و مجتہدین کو ڈرایا دھمکایا۔ تاجروں کے ساتھ تشدد برتا۔ حاجی ہاشم کو جو ایران کے مشہور تاجر تھے اس بہانے "چوبِ فلک" کی سزا دی کہ وہ چینی کی قیمت میں گرانی کا باعث بنا ہے۔ عوام اس خبر سے سخت برہم ہوئے، اور دکانداروں نے زبردست ہڑتال کر دی۔ ہڑتال کو ختم کرانے کے لیے بڑے بڑے لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن عوام کی جد و جہد نہ صرف جاری رہی بلکہ تیز تر ہو گئی۔ عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ غم و غصے کی لہر پورے ایران میں دوڑ گئی تھی۔ اور لوگ "انقلاب۔ انقلاب" کے نعرے لگاتے اور سزائیں جھیلتے ہوئے مزید سخت تر سزا کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایرانیوں کے گرم ذہنوں اور مشتعل دلوں میں حبِ وطن کا بارود بھر دیا گیا ہے۔

بست نشینی: ایران کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانہ سے اہلِ ایران اکثر ظلم و ستم سہتے آئے

ہیں۔ ایرانیوں کے لیے جب بچنے کی کوئی صورت نہ ہوتی تو وہ عزت و حرمت والے مقامات پر پہنچ کر پناہ گزین ہو جاتے تھے۔ جو لوگ اس طرح پناہ میں آجاتے ان پر ظلم و ستم کا کوئی ہاتھ نہیں اُٹھ سکتا تھا اور نہ انھیں ان مقامات سے بجبر نکالا ہی جا سکتا تھا۔ اس پناہ گزینی کو "بست" کہا جاتا تھا۔ وسیع پیمانے پر مقدس مقامات بنانے میں غالباً "بست نشینی" کا خیال بھی کارفرما ہوتا تھا۔

۱۹۰۵ء میں جب بادشاہ، وزیر اعظم عین الدولہ اور دوسرے حکام کے خلاف شدید مہم چلی تو لوگ کھلے بندوں اپنے دو مطالبات پیش کرنے لگے۔ ایک مطالبہ یہ تھا کہ عین الدولہ کو وزارتِ عظمیٰ سے الگ کر دیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ ذمہ دار "عدالت خانہ" قائم کیا جائے۔ حکومت اس تحریک کو پوری قوت سے کچلنا چاہتی تھی۔ چنانچہ بعض مقتدر سیّدوں، عالموں اور تاجروں کو گزرگاہ عوام پر تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ حکومت کے اس بہیمانہ فعل کے خلاف احتجاج کی غرض سے متعدد تاجر مسجد شاہ، طہران میں بست نشین ہو گئے۔ اس بست میں ملک کے جید علما بھی شریک ہو گئے۔ جن میں سید عبداللہ بہبہانی اور سید طباطبائی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ بست نشینی کی حالت میں انھیں گرفتار تو نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور بست نشینوں کی رسد بند کر دی گئی۔ اس سے بست نشین بھوک اور پیاس کا شکار ہونے لگے۔ اس لیے ان میں سے بعض نے موقع پا کر مسجد شاہ سے نکل کر قم کی راہ لی اور معصومۂ قم کی درگاہ میں بست نشین ہو گئے۔ سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی جو مشروطیت یعنی جمہوریت کی تحریک کے نہایت مقتدر رہنما تھے، اپنے اعزہ و اقارب کو ساتھ لے کر شاہ عبدالعظیم کی درگاہ میں بست نشین ہو گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ دوسرے علما کی جمعیت، طلبا و تاجر بھی اسی درگاہ میں آ کے بست نشین ہو گئے۔

اس موقع پر بست نشینوں کی امداد بعض ایسے با اثر افراد نے بھی کی جو جمہوریت کے مطالبہ کے قطعاً مخالف تھے۔ ان میں شہزادہ ولی عہد محمد علی مرزا بھی شامل تھا۔ وہ دراصل عین الدولہ کو وزارت سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ عام خیال یہ تھا کہ عین الدولہ مظفر الدین شاہ کو تخت سے اتار کر اس کے بھائی شجاع السلطنت کو تخت نشین کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ محمد علی مرزا نے انقلاب پسندوں

کو نہ صرف مالی امداد دی بلکہ بعض علما کو بھی بست نشینوں کا ساتھ دینے کے لیے کہا۔ امین السلطان عین الدولہ کا حریف تھا اس لیے اس نے بھی انقلاب پسندوں کو مالی امداد دی۔ عین الدولہ نے انتہائی کوشش کی کہ بست نشینوں کو کسی قسم کی مدد نہ مل سکے۔ چنانچہ اس نے دکانوں پہ پہرے بٹھائے، سڑکوں پہ آنے جانے والوں کا راستہ روکنے کے لیے سپاہی متعین کیے۔ اور اس سڑک پر جو تہران سے شاہ عبدالعظیم کو جاتی ہے فوج متعین کر دی لیکن یہ سب تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں اور لوگ آ آ کر بست نشینوں میں شامل ہوتے گئے۔ ان میں طلبا، تاجر اور مُلّا، سب ہی شامل تھے۔

بادشاہ کی عہد شکنی

مظفرالدین شاہ نے بست نشینوں کو دھمکیاں بھی دیں اور لالچ بھی۔ مگر بست نشینوں پہ ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار اس نے امیر بہادر جنگ کو تین سو سواروں کا دستہ دے کر شاہ عبدالعظیم بھیجا اور اس نے کوشش کی کہ جیسے بھی ہو سکے بست نشینوں کو وہاں سے لے آئے لیکن یہاں اسے نہایت تلخ باتیں سن کر ناکام واپس آنا پڑا۔ اس سے صورت حال اور زیادہ سنگین ہو گئی تو مظفرالدین شاہ نے اپنا دستخطی فرمان بھیج کر یہ اعلان کیا کہ بست نشینوں کے دونوں مطالبات منظور کر لیے گئے ہیں۔ وزیراعظم عین الدولہ کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے گا اور ملک میں عدالت خانہ قائم کر دیا جائے گا۔ اس فرمان کی عکسی نقلیں ایران کے گوشے گوشے میں بھیج دی گئیں۔ شاہی اعلان کے بعد بست نشین شاہی سواریوں میں تہران واپس لائے گئے، خود بادشاہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور زبانی بھی اپنا وہ اعلان دہرایا جو وہ لکھ کر بھیج چکا تھا۔ عوامی مطالبات کو تسلیم کیے جانے کی خوشی میں مختلف شہروں میں "فتح ملت" کے نام سے جشنِ عظیم منائے گئے۔

عین الدولہ کو وزارتِ عظمیٰ سے الگ کرنے کا فرمان تو ہو چکا تھا۔ مگر اس پہ عمل نہیں ہوا تھا اس دوران میں عین الدولہ نے بادشاہ کو یہ احساس دلایا کہ عوام شرپسندوں کے بھڑکانے میں آ گئے ہیں اور ان کا جوش و خروش بالکل عارضی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس کے علاوہ بعض ملوکیت پسندوں نے بھی بادشاہ کو گمراہ کیا۔ چنانچہ شاہی فرمان پر عمل درآمد روک دیا گیا۔

عہد شکنی کا ردِّ عمل

عوام فرمانِ شاہی پر عملدرآمد کے منتظر تھے اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ نے پیمان شکنی کی ہے تو انھوں نے اپنی تحریک پھر شروع کر دی۔ اور تقریروں اور شب ناموں[1] کے ذریعہ مطالبات پورے کرنے کا تقاضا کرنے لگے۔ تحریک کو کچلنے کے لیے عین الدولہ نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور متعدد آزادی خواہوں کو قلعہ کلات کے قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ فارس اور مشہد میں بلوے شروع ہو گئے۔

سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی نے جب صورتِ حال بگڑتی دیکھی تو ایک عریضہ لکھ کر بادشاہ کو، جو اس وقت بیمار تھا، رعایا کی ناراضی اور عوام کے مشتعل جذبات سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ وہ اصلاحات نافذ کر دی جائیں جن کا فرمانِ شاہی میں وعدہ کیا گیا ہے لیکن اس استدعا کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس حکومت نے حفاظتی تدابیر سخت تر کر دیں۔ ہر جگہ سپاہی ہی سپاہی نظر آتے تھے۔ گلیوں میں روسی سپاہی گشت کرتے تھے۔ سورج غروب ہونے کے تین گھنٹے بعد کسی کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ سید عبداللہ بہبہانی اور سید محمد طباطبائی اور دوسرے علما پھر منبروں پر آ گئے اور ملوکیت کی مذمت کرنے لگے۔

علما کی تقریروں کے علاوہ "انجمن مخفی" اور "کتاب خانۂ ملی" نے بھی اپنی حریت پسندانہ سرگرمیاں شروع کر دیں اور فارسی کے ان رسائل کا لہجہ بھی تند و تلخ ہو گیا جو یورپ میں چھاپے جاتے تھے۔

عین الدولہ عوام کے اس جوش و خروش سے آتش زیرپا ہوا اور آقا سید جمال واعظ اصفہانی کو جو اس تحریک میں سرگرم حصہ لے رہے تھے، شہر بدر کر دیا۔ وہ شہر سے نکل کر قم میں پناہ گزین ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایک اور عالم شیخ محمد کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا گیا۔ سپاہیوں نے انھیں پکڑ کر گدھے پر لادا اور چل دیے۔ جب ایک ہجوم سپاہیوں کی طرف بڑھا تو انھوں نے شیخ کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ ہجوم نے کوٹھڑی کا دروازہ توڑنا چاہا تو سپاہیوں کے افسر نے گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ لیکن سپاہیوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس افسر نے سید حسین کو جو دروازہ توڑنے کے لیے آگے

---

[1] سیاسی نوعیت کے خبرنامے جو راتوں رات چھپتے اور ہاتھوں ہاتھ پہنچائے جاتے تھے۔

بڑھا تھا گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ عوام جب غیظ و غضب کی حالت میں اس افسر کی طرف بڑھے تو وہ فرار ہو گیا۔ لوگوں نے شیخ محمد کو آزاد کرا لیا اور سید حسین کا جنازہ شہر کی گلیوں اور بازاروں سے گزارا عین الدولہ نے لوگوں کے ہجوم پر گولی چلانے کا حکم دیا اور اس سے پندرہ افراد مارے گئے۔ ان میں سید عبدالمجید بھی تھا۔ اس خونیں واقعہ کی یاد میں کسی نے یہ شعر کہے[1]:

از نو حسین شہید بہ سیلِ یزید شد   عبدالمجید کشتۂ عبدالحمید شد
بادا ہزار مرتبہ نزدِ خدا قبول   قربانیِ جدید تو یا ایہا الرسول

آخر کار سپاہیوں نے ہجوم کو منتشر کر دیا۔

آزادی خواہوں نے اب قم کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت تاریخ ایران میں "ہجرتِ کبریٰ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس عرصہ میں عین الدولہ نے حکم دیا کہ دکانیں جبراً کھلوادی جائیں جو بطور احتجاج بند کر دی تھیں اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی گئی کہ جو دکان نہیں کھولے گا اس کی دکان لوٹ لی جائے گی۔

انگریزی سفارت خانہ میں پناہ گزینی

کچھ لوگ تہران سے ہجرت کر کے گل ہاک پہنچے۔ جہاں انگریزوں کا سفارت خانہ تھا[2]۔ انگریزی سفیر ان کو پناہ دینے پر رضامند نہ تھا۔ اس نے کہا کہ جو لوگ بادشاہ وقت کے باغی ہیں انھیں پناہ نہیں دی جا سکتی۔ سید عبداللہ بہبہانی نے سفیر کے نام اس مضمون کا ایک مراسلہ بھیجا کہ "یہ لوگ باغی نہیں بلکہ مظلوم ہیں جو آپ کے پاس پناہ لینے آئے ہیں۔ یہ امن پسند ہیں۔ خونریزی سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ یہ لوگ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر آئے ہیں۔ امید ہے آپ انھیں ضرور پناہ دیں گے۔" اس مراسلہ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور ۱۹ جون کو پچاس آزادی خواہ انگریزی سفارت خانہ میں داخل ہو گئے۔ پھر رفتہ رفتہ اور لوگ بھی گروہ در گروہ سفارت خانے میں آتے رہے۔ اور دس دن کے اندر ان کی تعداد چار ہزار ہو گئی۔ پھر یہ تعداد بڑھی اور بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ان کی تعداد بیس ہزار ہو گئی۔ یہ مہاجر سفارت خانہ میں بڑے نظم و ضبط سے رہے۔ ان کی خوراک وغیرہ کا انتظام آزادی خواہ

---

[1] براؤن۔ پرشین ریوولیشن۔ صفحہ ۱۱۸

[2] ڈاکٹر مہدی ملک زادہ۔ انقلابِ مشروطیت ایران۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۹

تاجروں نے کیا تھا۔

آزادی خواہوں کا مطالبۂ مشروطیت

تحریک بڑی شدت اور وسعت اختیار کر چکی تھی۔ اب آزادی خواہوں کے مطالبات یہی نہ تھے کہ عین الدولہ کو برطرف کیا جائے اور عدالت خانہ قائم کیا جائے۔ بلکہ ان مطالبات کے علاوہ اب ان کے مطالبات یہ بھی تھے کہ ملک میں جمہوریت قائم کی جائے۔ دارالشوریٰ بنایا جائے۔ اور سب قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

مظفرالدین شاہ نئے مطالبات کو ماننے کے لیے تیار تھا لیکن دارالشوریٰ کے قیام سے سخت گھبراتا تھا۔ چنانچہ وہ دو ایک دن تک ٹالتا رہا۔ آخر جب حالات اور زیادہ بگڑنے لگے تو ایک فوجی سردار نے جو تہران کے نظم و نسق کا ذمہ دار تھا، بادشاہ کو مطلع کیا کہ حکومت کے بعض ذمہ دار عہدہ دار استعفیٰ دے کر آزادی خواہوں سے جا ملے ہیں اور فوج میں بھی بے چینی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اگر چندے یہی حالت رہی تو ممکن ہے کہ فوجی افسر بھی تحریکِ مشروطیت میں شامل ہو جائیں۔ بادشاہ ان پریشان کن حالات سے سخت ہراساں ہوا۔ اور آخرکار ۱۵ اگست ۱۹۰۶ء کو آزادی خواہوں کے مطالبات من و عن تسلیم کر لیے گئے اور ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ اس کے بعد سب پناہ گزین فتح مندی کے احساس کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے اعلان سے تہران اور دوسرے تمام بڑے شہروں میں جشن منائے گئے، جگہ جگہ چراغاں ہوا جس سے ملک کا کونہ کونہ جگمگا اٹھا۔

فرمان شاہی کے مطابق عین الدولہ کو برطرف کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک اعتدال پسند مدبر نصراللہ خان مشیرالدولہ کو وزارتِ عظمیٰ سونپی گئی۔ سب قیدی رہا کر دیے گئے اور علماء و مشائخ کو بڑے احترام سے واپس لایا گیا۔ ذمہ دار حکومت کے سلسلہ میں جو فرمان جاری ہوا وہ مندرجہ ذیل شقوں پر مشتمل تھا:۔

۱۔ ایران کو گیارہ یا تیرہ انتخابی حلقوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ مجلسِ شوریٰ دو سو نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

۳۔ تیس سے ستر برس عمر تک کے خواندہ مرد، جو سرکاری ملازم نہ ہوں، ووٹ دے

دے سکیں گے۔

مجلس شوریٰ کا قیام

اکتوبر ۱۹۰۶ء میں "مجلس" کا قیام عمل میں آگیا۔ بادشاہ اگرچہ علیل تھا لیکن وہ مجلس کے افتتاح کے موقع پر موجود تھا۔ شاہی فرمان پڑھا گیا اور افتتاح کی تاریخی رسم ادا کی گئی۔

مجلس کا دستور مرتب کرنے کے لیے چند دانشور مقرر کیے گئے جنھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مجلس کا دستور مرتب کرلیا اور اس پر مظفر الدین شاہ نے دستخط ثبت کر دیے۔

اپنی زبردست جد و جہد سے عوام فتح یاب ہوئے۔ تحریک مشروطیت بار آور ہوئی اور ملک میں ذمہ دار حکومت قائم ہوگئی۔ مطلق العنانی کا زور ٹوٹ گیا اور عوام داخلی معاملات سلجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ دستور کا اعلان ہوتے ہی اخبار نویسوں کی رکاوٹیں بھی دور ہوگئیں۔ اور ملک میں اخباروں کی تعداد نوے تک پہنچ گئی۔ اس عہد کے اہم ترین اخبارات صور اسرافیل، مساوات، تمدن، ندائے وطن اور مجلس تھے۔

یکم جنوری ۱۹۰۷ء کو مظفر الدین شاہ، وزیر اعظم مشیر الدولہ کی معیت میں "بہارستان" میں داخل ہوا جو پارلیمنٹ ہاؤس کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ بہارستان اور اس کے آس پاس کے راستوں پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے۔ یہ لوگ والہانہ طور پر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

مظفر الدین شاہ کی بیماری رفتہ رفتہ خطرناک صورت اختیار کر گئی تھی۔ ولی عہدِ سلطنت محمد علی مرزا آذر بائیجان سے تہران آیا تھا اور اس نے بھی دستور مجلس پر دستخط کر دیئے۔ ۸ جنوری ۱۹۰۷ء کو مظفر الدین شاہ قاچار ایران کو جمہوری دستور دے کر بارِ ہستی سے سبکدوش ہوگیا۔